مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بحیثیت سوانح نگار

* پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد جعفر

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م ۱۹۹۹ء) بیسویں صدی کی نابغہ روزگار شخصیات میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے اپنی تحریر کے ذریعے عالم اسلام میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ مولانا نے بیسویں صدی میں اسلام کو نہایت یقین اور وثوق کے ساتھ بہت ہی مؤثر انداز میں اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ نہ صرف یہ کہ اسلام کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا بلکہ نہایت جرأت کے ساتھ مغربی تہذیب کا مقابلہ کیا۔ بلکہ تہذیب جدید کے طلسم کو بھی توڑا۔ اس حوالے سے ان کی تصانیف، ''مذہب وتمدن''، ''نیا تمدن اور اس کا مقابلہ''، ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش''، ''اسلامی بیداری''، ''معرکہ ایمان و مادیت''، ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں''، ''نئی دنیا'' (امریکہ) میں صاف صاف باتیں اور ''تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات'' خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے عربی زبان میں متعدد کتب اور مضامین تحریر کیے۔ آپ نے شروع ہی سے عربی زبان کو اپنی تحریر وتقریر کا ذریعہ بنایا۔

آپ کی تصانیف پر معروف علمی شخصیات نے مقدمات تحریر کیے۔ جن میں سید سلیمان ندویؒ، سید قطب شہیدؒ، سید علی طنطاویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ جیسے اہل قلم حضرات کے نام شامل ہیں مولانا علی میاں اپنی تصانیف خصوصاً عربی تصانیف کی وجہ سے عالم اسلام میں نہ صرف متعارف ہوئے بلکہ نہایت مؤثر انداز میں انہوں نے اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ (۱)

مولانا بنیادی طور پر ایک داعی اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کی ہر تصنیف میں ہمیں دعوت وتبلیغ کا پہلو نہایت نمایاں اور واضح نظر آتا ہے۔ بقول سید قطب شہیدؒ:

---

* صدرِ شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

''میں نے انہیں ان کے قلم اور شخصیت سے پہچانا۔ میں نے ان میں عقل مسلم اور دل مسلم کو پہچانا۔ میں نے ان میں وہ آدمی دیکھا اور پہچانا جو اسلام کے ساتھ اور اسلام کے لیے زندگی گزارتا ہے۔ بلکہ زیادہ سمجھ کے ساتھ اس کی زندگی اسلام کے لیے ہے۔''(۲)

مولانا علی میاں کے بارے میں پروفیسر خورشید احمد تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا علی میاں ایک نامور عالم دین، ایک بلند پایہ مصنف اور دانش ور، ایک صاحب طرز ادیب، ایک سحر انگیز خطیب اور ایک منفرد مؤرخ و سیرت نگار تھے۔ لیکن ان سب جہتوں سے بڑھ کر وہ ایک داعی، ایک مبلغ، ایک مصلح اور ایک صاحب دل مزکی اور مربی تھے۔ ان تمام اوصاف کے اجتماع نے انہیں بیسویں صدی کے احیائے اسلام کے معماروں میں ایک منفرد مقام دے دیا تھا۔ میں جب بیسویں صدی کی اسلامی فکر و دانش کی قوس قزح پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مجھے ان کا فکر و اسلوب ایک گلدستے کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ جس میں اس دور کے متعدد اہل نظر اور اصحاب دعوت کے متفرق پہلو جمع ہو گئے ہیں۔ اُن کے یہاں علامہ اقبالؒ کا سوز و گداز، مولانا مودودیؒ کی منطقیت و تعقل، علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان علی ندویؒ کا ذوق تاریخ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد الیاسؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور مولانا محمد زکریاؒ کی روحانیت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ مولانا علی میاں کے یہاں سب پہلو ایک دوسرے کی نقیض نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔''(۳)

سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مختلف اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا۔ مولانا کی دلچسپی کا ایک خاص موضوع ہمیں سوانح نگاری نظر آتا ہے۔ انہوں نے سوانح نگاری کے میدان میں تصانیف کا ایک وسیع ذخیرہ ورثہ میں چھوڑا۔ سوانح نگاری مولانا کو ورثہ میں ملی۔ مولانا کے والد محترم حکیم سید عبدالحئ نے ہندوستان کے علماء و فضلاء حضرات کے احوال پر مشتمل ایک نہایت ہی قیمتی اور معلوماتی ذخیرہ ''نزھۃ الخواطر'' کے نام سے مرتب کیا۔ جو پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ کے احوال پر مشتمل ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس کتاب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی۔اس میں ساڑھے چار ہزار سے زائد شخصیتوں کے تراجم ہیں۔اس کی تصنیف میں مصنف نے جن مآخذ سے فائدہ اٹھایا ہے ان کی تعداد تین سو کتابوں سے کم نہیں ہے اور وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔'' (۴)

مولانا اس کتاب کے بارے میں ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ کتاب نہ صرف اپنے موضوع پر ایک وسیع کتب خانہ اور قدیم مصنفین کی محنتوں کا نچوڑ بن گئی ہے بلکہ ہندوستان کے لیے سرمایہ نازش و افتخار ہے کہ اس کی وجہ سے تمام اسلامی ممالک میں جو اسلامی حکومت یا اسلامی تہذیب وعلوم کے قلمرو میں شامل تھے۔تنہا ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اس کے پورے اسلامی دور کی تاریخ تسلسل وترتیب کے ساتھ مرتب ہوگئی۔اور اس میں کوئی خلاء باقی نہیں رہا۔ بڑے بڑے نامور اسلامی ملکوں کے باکمال فرزندوں کے جو تذکرے لکھے گئے ہیں اُن میں صدیوں کا خلاء پایا جاتا ہے۔کسی صدی کے کئی کئی تذکرے ہیں اور کئی کئی صدیاں مستند تذکرے سے خالی ہیں۔لیکن ہندوستان مرکز اسلام سے اپنی دور افتادگی اور اپنی بہت سی سیاسی وعلمی دقتوں اور آزمائشوں کے باوجود اسلام کی بین الاقوامی اور زندہ جاوید زبان عربی میں ایک کتاب ایسی پیش کرسکتا ہے جو پورے عہد کے باکمال مسلمانوں کے تذکرہ پر بڑی حد تک حاوی ہے۔ ہندوستان کے ہمسایہ اسلامی ممالک میں افغانستان وایران بڑے مردم خیز ملک واقع ہوئے ہیں۔جن کی زمین سے ہزارہا اہل فضل وکمال اٹھے۔اور ایران کو تو دنیائے اسلام کا یونان کہنا صحیح ہوگا۔ لیکن ان میں سے کوئی ملک اپنے علماء واہل فضل کا کوئی ایسا مکمل ومسلسل تذکرہ پیش نہیں کر سکتا۔ دور افتادہ ممالک میں ترکی نے چار سو برس تک عالم اسلام کی قیادت کی ہے اور قسطنطنیہ مسلمانوں کا دارالخلافہ ہے اور وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں مصنفین ومدرسین پیدا ہوئے۔لیکن وہاں بھی کسی عالم ومصنف نے ایسا کوئی تذکرہ مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جو اس لائق صد احترام ملک کے مکانی وزمانی رقبہ پر محیط ہو۔'' (۵)

مولانا علی میاں نے اپنی تحریر کا آغاز بھی سوانح نگاری سے کیا اُن کے اپنے الفاظ میں:

''راقم الحروف'' (ابوالحسن علی ندویؒ) کی تحریری و تصنیفی زندگی کا آغاز تذکرہ سوانح سے ہوا۔ ابھی میری عمر سولہ سترہ سال کی تھی کہ میرے مربی اور برادر معظم مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم نے ایک اردو مضمون ''تیرہویں صدی کا مجاہد اعظم'' عربی میں ترجمہ کے لیے دیا۔ جب اس مضمون کا آزاد ترجمہ مکمل ہو گیا تو وہ اس وقت عالم اسلام کے وقیع ترین رسالہ ''المنار'' میں جو علامہ سید رشید رضا مرحوم کی ادارت میں قاہرہ سے نکلتا تھا۔ اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ علامہ مرحوم نے اس کو بالاقساط ''المنار'' میں بھی شائع کر دیا۔ اور ترجمۃ السید الامام احمد بن عرفان الشہیدؒ'' کے نام سے اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کر کے نوعمر مضمون نگار کی عزت و ہمت بڑھائی۔ یہ مصنف کے قلم کا پہلا نقش تھا جس کو ایک مقبول اور مجاہد بندہ کی نسبت نے آب و تاب بخشی۔''(۶)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جہاں صاحب سوانح کے حالات تحریر کیے۔ وہاں دعوت و تبلیغ کے پہلو کو ہمیشہ مدِنظر رکھا۔ مولانا نے ایسی شخصیات کی سوانح پر قلم اٹھایا جن کے ساتھ مولانا کو عقیدت تھی اور وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ ان حضرات کی سوانح اور حالات کو پڑھ کر لوگ اپنی زندگی کے شب و روز میں انقلاب پیدا کریں اور ان کی اصلاح ہو۔ ان شخصیات کی سیرت اور سوانح قلم بند کر کے مولانا نے لوگوں کی سیرت سازی اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دینے کی ارادی طور پر کوشش کی۔

سوانح نگاری کے سلسلہ میں ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۹ء میں مطبع نامی پریس لکھنؤ سے پہلی بار چھپی۔ اس پر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ولولہ انگیز مقدمہ ''مسافر اسلام ہندوستان کے بت کدہ میں'' کے عنوان سے تحریر فرمایا۔ مولانا علی میاں نے ''کاروانِ زندگی'' کی جلد اوّل میں اس تصنیف کے بارے رقم طراز ہیں:

''یہ کتاب اپنی تمام کوتاہیوں کے ساتھ پہلی کتاب تھی۔ جو عصر کے مزاج کے مطابق لکھی گئی اور اس میں سب سے پہلے سید صاحب کی دعوت و تحریک کے وسیع تر اور بلند مقاصد کو پیش

کرنے کی کوشش کی گئی۔ اوران کی جماعت اور رفقاء کی ایمانی کیفیات، اخلاقی خصوصیات اور انکی حیرت انگیز تنظیم وجدوجہداور قربانیوں کی روداد پیش کی گئی۔ نیز اس میں پہلی مرتبہ یہ دکھایا گیا کہ سید صاحب کا مقصود محض پنجاب میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا سدباب کرنا نہ تھا۔ بلکہ خلافت اسلامیہ کا احیاء اور حکومت علی منہاج النبوت کا قیام وتاسیس تھا اوران کی کوشش کا میدان صرف پنجاب کی سکھ حکومت نہ تھی بلکہ اصل مقصود وہ ہندوستان تھا جو اس وقت انگریزوں کے اقتدار اور تسلط میں آ گیا تھا۔ اس کتاب میں انگریزوں کے خلاف سید صاحب کی جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور انگریزیوں کے ظلم وستم اور انبالہ جیل اور انڈیمان کے مظلومین کے صبر واستقامت کی داستان بھی سنائی گئی تھی۔ جوحد درجہ اثر انگیز، ایمان آفرین اور سبق آموز تھی۔ جس کو پڑھ کر سرد سے سرد، دل میں حرارتِ ایمانی اور غیرت اسلامی کا شعلہ بھڑ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔''(۷)

جہاں اس تصنیف کا مقصود سید احمد شہیدؒ کی تحریک کولوگوں میں متعارف کروانا تھا۔ وہاں برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ان کے اندر احیاء کی تحریک کومہمیز دینا بھی مقصود تھا۔ سید سلیمان ندویؒ اس کتاب کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس کی کھل کر پوری تاریخ لکھنی بھی اب سے پہلے مشکل تھی۔ اس کے متفرق مضامین رسالوں اور کتابوں میں بکھرے تھے۔ کچھ معلومات بزرگوں کے سینوں، کچھ قلمی کتابوں کے دفینوں میں بند تھے۔ ان سب کوسمیٹ کر ایک دفتر میں فراہم کرنا بھی ایک کام تھا۔ ہم کوخوشی ہے کہ اس کام کے لیے بھی اس خانوادے کے ایک نوجوان کوجس کے علم وعمل اور فکر وذوق کی دولت سے حصہٗ وافر ملا ہے۔ توفیق بخشی گئی۔ مولوی سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ شیخ التفسیر، دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بڑی کوشش سے ان متفرق معلومات کو یکجا کیا ہے اور اس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ تاریخ داستان کی بجائے نوجوان مسلمانوں کے لیے عمل روح کا سامان بن گیا ہے۔''(۸)

مقدمہ کے آخر میں سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے اور مسلمانوں کے ہاتھ میں رشد و ہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ دے دیا ہے۔ کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح و ہمت کا فائدہ اٹھائیں اور اپنے ماضی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی شکل و صورت دیکھیں۔''(۹)

چونکہ سید ابوالحسن علی ندویؒ کو خانوادہ سید احمد شہیدؒ سے گہری محبت اور عقیدت تھی اور اس خانوادہ سے ان کا تعلق بھی تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب ''سیرت سید احمد شہید'' میں تحریک مجاہدین کے کارکنوں کی جان فروشی، ایثار اور اخلاص کی مثالیں اور سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی سوانح نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ رقم کی ہے۔ لیکن تحریک کے کارکنوں کی کمزوریوں اور خامیوں کو جن کی وجہ سے تحریک کو پشاور میں نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کا کہیں تذکرہ نہیں کیا۔ بقول ڈاکٹر سفیر اختر ''سید ابوالحسن ندویؒ مزاجاً'' بزرگوں کے کارناموں پر ''تنقید'' اور ''کڑی تنقید'' کے آدمی نہ تھے۔ اسی لیے ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' میں انہوں نے دین سے محبت، اخلاص، ایثار و قربانی، مجاہدے اور جان فروشی کی مثالیں تو پیش کی ہیں مگر تحریک اصلاح و جہاد کے کارکنوں کی ''کمزوریوں'' پر گفتگو نہیں کی۔''(۱۰)

اسی چیز کی نشان دہی مولانا مسعود عالم ندویؒ نے بھی کی۔ مولانا تحریر کرتے ہیں:

''مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' سید صاحب کی سوانح، ان کی تعلیمات اور مشن پر بے مثال کتاب ہے اور اب تک ۱۹۴۹ء اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے سب پر بھاری ہے مگر افسوس کہ میرے عزیز ترین دوست اور مخلص بھائی کا طریق نظر و فکر خالص عقیدت مندانہ ہے اور انہوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور فروگذاشتیوں سے نگاہ بچا کر نکل جانے کی کوشش کی ہے۔''(۱۱)

سیرت سید احمد شہیدؒ کے بعد دوسری کتاب جو سید ابوالحسن علی ندویؒ نے کسی شخصیت کی سوانح عمری کے بارے میں تحریر فرمائی وہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت ہے جہاں یہ کتاب مولانا محمد الیاسؒ کی سوانح عمری کا مرقع ہے۔ وہاں ان کی دینی دعوت کی تاریخ بھی ہے اس کتاب کے مقدمہ میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں

''ہمارے دوستوں میں مؤلف کتاب (ابوالحسن علی ندویؒ) کو بزرگوں اور دینی شخصیتوں کی سیرت نگاری اور دینی واصلاحی تحریکات کی تاریخ نویسی سے خاصی مناسبت ہے اور اس کا خاص ذوق اللہ نے ان کو بخشا ہے۔ اس سلسلہ میں مستقل کتاب کی شکل میں ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' ان کا پہلا نقش تھا اور مولانا محمد الیاسؒ کی یہ سوانح نقش ثانی ہے۔'' (۱۲)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ہمیشہ ایسی شخصیات کی سوانح پر قلم اٹھایا جن کے ساتھ انہیں عقیدت تھی اور جو دعوت الی اللہ کے داعی تھے۔ مولانا نے ان کی سوانح تحریر فرما کر ان کے مشن کو مزید آگے بڑھانے کی کوشش کی تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے نصب العین سے واقف ہوسکیں۔ اصلاح کا سلسلہ اور تبلیغ ودعوت کا حلقہ مزید وسعت اختیار کرسکے۔ مولانا علی میاں کی کتاب ''مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت'' کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حکیمانہ تبلیغ ودعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس پر اس کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے۔ اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان ۔ نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے۔ حق یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن پاک کی یہ ندا ﴿یا ایّھا الذین امنوا امنوا﴾ اے مسلمانو! مسلمان بنو کو پورے زور وشور سے بلند کیا جائے شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفاکشی، وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور قوت مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیادار لوگ دنیا کے عز وجاہ اور حصول طاقت میں طاقت صرف کررہے ہیں۔ جس میں حصول مقصد کی خاطر ہر متاع

عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لیے، ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے کشش سے، کوشش سے، جان و مال سے، ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اس جنون کی اس عہد میں مثالیں آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اصل کتاب (مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت) کو شروع کریں۔''(۱۳)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد الیاسؒ کے بارے میں ان کی سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا اصل دین کی کوشش اور دین کے متفق علیہ اجزاء کی اشاعت و ترویج کو اس زمانہ کے تمام فتنوں اور امراض کا علاج، سنتوں کے فروغ اور ہر دینی خیر و برکت کے پھیلنے کا سبب سمجھتے تھے۔ آپ کے نزدیک صحیح ترتیب یہ تھی کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کو ایمان کے سایہ کے نیچے لانے کی کوشش کی جائے۔ اسی سے زندگی کی چول بیٹھے گی۔''(۱۴)

''تاریخ دعوت و عزیمت'' میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ان اصحاب عزیمت کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اسلام کے تحفظ و بقاء کے لیے مصائب و آلام کو برداشت کیا۔ ساتھ ہی اسلام کی دعوت کو بھی مولانا نے پیش نظر رکھا۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کتاب سے مستفید ہو سکیں۔ ''تاریخ دعوت و عزیمت'' چھ حصوں پر مشتمل ہے۔

- حصہ اوّل میں پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں اس دور کے نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مختصر سوانحی تذکرہ۔ ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج پر بحث کی گئی ہے۔
- ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کی دوسری جلد میں امام ابن تیمیہؒ کی سوانح حیات، ان کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں اور ان کی اہم تصانیف کا مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔
- جلد سوئم میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء اور حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے سوانح حیات اور تجدیدی و اصلاحی کارناموں کا تذکرہ ہے۔

- حصہ چہارم ہندوستان کے نقشبندیہ سلسلہ کی معروف شخصیت حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ کی سوانح۔ان کے تجدیدی کارناموں کی مکمل روداد پر مشتمل ہے۔
- جلد پنجم حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سوانح حیات۔ان کی علمی وتجدیدی کارناموں کی مکمل تفصیل فراہم کرتی ہے۔
- جب کہ جلد ششم میں جو کہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔سید احمد شہیدؒ۔ان کی تحریک جہاد واصلاح کی مکمل داستان بیان کی گئی ہے۔

''تاریخ دعوت وعزیمت''میں سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان شخصیات کو موضوع تحریر بنایا ہے۔جنھوں نے نہایت نامساعد حالات میں اسلام کی بقااور تحفظ کا فریضہ سرانجام دیا۔ان حضرات کی کاوشوں سے دین حق کی حفاظت اور بقاء کا غیر معمولی کام لیا گیا ہے۔ان حضرات کا منصۂ شہود پر آنا اور اصلاحی تحریک کا بیڑا اٹھانا دراصل دین اسلام کے تحفظ وبقاء کا در پردہ ایک انتظام خداوندی تھا۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی جلد اوّل میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیےاور مکان وزمان کی تبدیلیوں سے عہد براہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو انتظامات فرمائے ہیں۔ایک تو یہ کے اس نے جناب رسول اللہﷺ کو ایسی کامل ومکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہیں۔اوران میں ہر زمانہ کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔دوسرے یہ کہ اس نے اس کا ذمہ لیا ہے کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اوراس امت کو سرگرم عمل رکھیں گے۔اس دین میں ایسے اشخاص پیدا کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت ہے اس کا اس سے پہلے کبھی کسی دین سے اظہار نہیں ہوا اور یہ امت تاریخ عالم میں جیسی''مردم خیز'' ثابت ہوئی ہے دنیا کی قوموں اور امتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔یہ محض اتفاقی بات نہیں بلکہ انعام خداوندی ہے کہ جس

دور میں جس صلاحیت وقوت کے آدمی کی ضرورت تھی اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی۔ وہ اس امت کو عطا ہوا ہے۔'' (۱۵)

مولانا مزید فرماتے ہیں:

''ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تحریفات وتاویلات کا پردہ چاک کر دیا۔ اور حقیقت اسلام اور دین خالص کو اجاگر کیا۔ بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی۔ سنت کی پرزور حمایت کی۔ عقائد باطلہ نفس پرستی پر ضرب کاری لگائی تعیّشات اور اپنے زمانہ کے ''مترفین'' کی سخت مذمت کی اور جابر سلاطین کے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔ عقلیت پسندی کا طلسم توڑا اور اسلام میں نئی قوت وحرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کر دی۔ یہ افراد دماغی، عملی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے ممتاز ترین افراد تھے اور طاقتور اور دلآویز شخصیتوں کے مالک تھے۔ جاہلیت اور ضلالت کی ہر نئی ظلمت کے لیے ان کے پاس کوئی نہ کوئی ''ید بیضا'' تھا۔ جس سے انہوں نے تاریکی کا پردہ چاک کر دیا۔ اور حق روشن ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت اور بقاء منظور ہے اور دنیا کی راہنمائی کا کام اسی دین اور اسی امت سے لینا ہے اور جو کام وہ پہلے تازہ نبوت اور انبیاء سے لیتا تھا اب رسول اللہ ﷺ کے نائبین اور امت کے مجددین و مصلحین سے لے گا۔'' (۱۶)

''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی مختلف جلدوں میں ان حضرات قدس کی حیات وکارناموں کو بیان کیا گیا ہے جنہوں نے دین کے تحفظ وبقاء کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ایک طرف تو مجددین و مصلحین امت کے کارناموں کو منصۂ شہود پر لانا مقصود تھا۔ تو دوسری طرف امت مسلمہ کو یہ پیغام بھی پہنچانا مقصود تھا کہ اگر کسی بھی وقت امت مسلمہ پر آزمائش کی گھڑی آ جائے تو ان بزرگان امت کی زندگیوں کو مثال بنا کر راہ عزیمت اختیار کرنے سے کبھی پہلوتہی نہیں کرنی چاہیے۔ ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی بعض جلدیں مخصوص مجددین کی زندگیوں اور ان کے تجدیدی کارناموں کا مکمل احاطہ کرتی ہیں اور بعض جلدیں مختلف مجددین کی زندگیوں کا اجمالاً احاطہ کرتی ہیں۔

جلد ششم جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد پر ایک مکمل اور جامع تصنیف ہے۔اسی طرح جلد چہارم اور پنجم مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالات اور کارناموں پر مکمل اور جامع تصنیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔بقول پروفیسر وصی احمد صدیقی:

''حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ پر ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کی دو ضخیم جلدیں..................دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہیں۔''(۱۷)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''تاریخ دعوت و عزیمت'' میں ان اصحاب دعوت و عزیمت کا تذکرہ کیا ہے جن سے وہ قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ان کی سوانح اور تذکرہ لکھتے وقت مولانا نے ان کے علمی کمالات، تحقیقات اور ان کی زندگی کے باطنی پہلو، تعلق مع اللہ اور اخلاقی خصوصیات کو نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے تا کہ ان کے تذکروں اور سوانح حیات کو پڑھ کر انسانیت کی صلاح و فلاح کا فریضہ بھی ادا ہو اور قلب و روح کی تازگی کا بھی بندوبست ہو سکے۔مولانا اسی کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''تاریخی شخصیتوں کے صرف علمی کمالات، تحقیقات اور تصنیفات کے اقتباسات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اُن کی زندگی کے باطنی پہلو، تعلق مع اللہ اور اخلاقی خصوصیات کو بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ اولاً تو یہ متقدمین اہل دعوت و اہل فکر کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے علمی کمالات اور عملی انہماک کے ساتھ عبادت و انابت الی اللہ کا ذوق رکھتے تھے اور ان کی کامیابی و مقبولیت میں اس کو خاص دخل ہے اور اس کے تذکرہ کے بغیر ان کا تذکرہ نامکمل رہتا ہے۔دوسرے اس ضخیم تصنیف اور تاریخ کے اس وسیع دفتر کے پڑھنے والے کا یہ حق اور اس کی محنت اور دقت کا یہ خاموش مطالبہ ہے کہ وہ اس سے صرف تاریخی معلومات ہی اخذ نہ کرے۔بلکہ قلب و روح کی تازگی اور ذوق عمل کا حصہ بھی پائے۔''(۱۸)

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن اپنے ایک مضمون میں اس تصنیف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجموعی طور پر مصنف محترم نے اپنی اس تصنیف کو صوفیہ کی جماعت کی سرخیل شخصیات کے

لیے وقف کیا۔ جنہوں نے امت کی اخلاقی حالت کو درست رکھنے کے لیے اور بالخصوص سیاسی زوال کے عرصہ میں اس کی ایمانی قوت کو بیدار رکھنے اور جلا بخشنے کے لیے اپنے ایمان و عمل کی قوت سے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کے فسادِ زمانہ کی تلاطم خیز موجیں مجموعی طور پر اس امت کے مذاق کو تبدیل نہیں کر سکیں۔ سیاسی طور پر تبدیلیاں آتی رہیں۔ کبھی تخت، کبھی تختہ، کبھی فریادرسی تو کبھی فریادی، مگر ان صلحاء امت کے اقتدار کا سورج دورِ اوّل سے نصف النہار پر ہے اور ہر آنے والا دن اس کی چمک دمک میں اضافہ کر رہا ہے۔ مصنف نے ان شخصیات کا انتخاب کیوں کیا۔ اس کا جواب واضح ہے کہ مصنف اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ سیاست، معیشت، معاشرت ان سب کی بنیادیں اگر اخلاقی درستگی پر استوار نہ ہوں تو بڑی ناپائیدار عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ جہاد بے شک فرض ہے لیکن جس جذبہ جہاد میں فکری راستگی اور دل کی پاکیزگی نہ ہو وہ جہاد نہیں فساد ہوتا ہے۔ اس فکری روشنی میں مصنف محترم نے ان کردار ساز شخصیات کا تذکرہ مرتب فرمایا ہے۔ جو مختلف شعبوں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے قلوب کو تزکیہ اور تصفیہ کی دولت سے مالا مال کرتے رہے۔" (19a)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے "تاریخ دعوت وعزیمت" میں جہاں اسلام کی گیارہ سوسالہ تاریخ کی شخصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں "پرانے چراغ" لکھ کر معاصر شخصیات، بزرگان دین، اپنے دوستوں اور اساتذہ سے دنیا کو متعارف کروایا۔ مولانا "پرانے چراغ" کی جلد اوّل میں اپنی اس تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پیش نظر کتاب میرے ان مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو چند معاصر شخصیتوں سے متعلق اور ان کی وفات کے بعد لکھے گئے تھے۔ ان معاصرین میں مشاہیر، علماء اور مصنفین بھی ہیں۔ اساتذہ اور شیوخ بھی، دوست اور رفیق کار بھی، نامور اور شہرۂ آفاق بھی اور ایسے گوشہ نشین اور مستور الحال باکمال اور مردان خدا بھی جن کو ایک محدود حلقہ احباب کے سوا بہت کم لوگوں نے جانا اور پہچانا۔ ان میں زیادہ تر مضامین اس شخصیتوں کی وفات کے معاً بعد اس سے متاثر

ہو کر لکھے گئے .... یہ مضامین ان شخصیتوں کی سوانح حیات یا ان کے مکمل تذکرہ و تاریخ کے طور پر نہیں لکھے گئے۔ نہ ان کو ان کے حالات و کمال کا مکمل مرقع سمجھنا صحیح ہوگا۔ یہ درحقیقت نقوش و تاثرات کا ایک مجموعہ ہے۔ جو اپنی یاد، تجربات و واقعات اور خطوط اور ذاتی تحریروں کی مدد سے تیار کیا گیا۔ اس کی خوبی کہیے یا عیب کہ اس میں اپنی زندگی کے واقعات و تجربات اور اپنے دل کے احساسات و تاثرات اور ان شخصیتوں کی زندگی کے واقعات اور ان کے قلبی تاثرات و احساسات ایسے گھل مل گئے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا اور ایک کی مدد کے بغیر دوسرے سے آشنا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے ان شخصیتوں کے بہت سے ایسے خدوخال نمایاں ہو گئے ہیں جو روایتی سوانح عمریوں اور رسمی تاریخوں میں عام طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ اس لیے سوانح نگاروں اور تاریخ نویسوں کو بھی ان میں زندگی کی بہت سی گمشدہ کڑیاں، چہرہ کا اتار چڑھاؤ، زندگی کے نشیب و فراز، دل کی دھڑکنیں اور اقبال کے الفاظ میں ''دنوں کی تپش اور شبوں کا گداز'' ملے گا۔ جو بڑے ضخیم تذکروں اور پر جلال تاریخوں میں نہیں ملتا اور یہی ان مضامین کی اصل قدر و قیمت ہے۔''(۲۰)

جہاں تک ''پرانے چراغ'' کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے۔ مولانا کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے:

''الہٰ دین کا چراغ'' کے سلسلہ میں پڑھا تھا کہ افریقی جادوگر نے جب الہٰ دین کا چراغ گم کر دیا اور اس کی بازیافت میں نکلا تو وہ اپنے ساتھ بہت سے نئے چراغ لے کر چین پہنچا تو دروازہ دروازہ صدا لگاتا تھا کہ ''پرانے چراغ دو اور نئے چراغ لو'' قصہ کا راوی کہتا ہے کہ جب اس گھر کے دروازہ پر پہنچا۔ جہاں اس کا گوہر شب چراغ موجود تھا تو صاحب خانہ نے اپنی سادگی میں پرانا چراغ دے کر نیا چراغ لے لیا اور اس کو متاع گمشدہ ہاتھ آ گئی۔ مصنف بھی اسی سوداگر کا بھیس بدل کر نئے چراغ بیچتا اور پرانے چراغ خریدتا ہے اور اس بات پر یقین کرتا ہے کہ وہ اس سودے میں ہرگز نقصان میں نہیں رہے گا۔ اسی لیے اس کتاب کا نام ''پرانے چراغ'' رکھا گیا۔''(۲۱)

مولانا نے ان تینوں اجزاء (پرانے چراغ تین حصوں پر مشتمل ہے) میں معاصر بزرگوں، مصلحین امت اپنے اساتذہ کرام، مربیوں، محسنوں اور بے تکلف احباب و اہل تعلق کے علاوہ ان نئے چراغوں پر بھی روشنی ڈالی ہے، جن کی زندگی کا چراغ بہت جلد گل ہو گیا اور وہ بھی ایک طرح سے پرانے چراغوں میں داخل ہو گئے۔ (۲۲)

''پرانے چراغ'' کی جلدوں میں مولانا نے بعض معروف شخصیات پر قلم نہیں اٹھایا۔ چونکہ مولانا ان شخصیات پر پہلے ہی سے مکمل کتب تحریر کر چکے تھے۔ لہذا ''پرانے چراغ'' میں ان کا تذکرہ کرنا انہوں نے غیر ضروری سمجھا۔

مولانا لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب (پرانے چراغ) میں تمام متعارف، محبوب یا محترم شخصیتوں کا احاطہ نہیں کیا گیا یہ سمجھنا صحیح نہیں ہوگا کہ مصنف کا دائرہ محبت وعقیدت یا تعلق وتعارف انہیں شخصیتوں تک محدود ہے جن کے متعلق اس مجموعہ میں مضامین ہیں۔ بہت سے واقف کار لوگوں کو اس مجموعہ میں ہندوستان کی بہت سی چیدہ و برگزیدہ شخصیتوں کا تذکرہ نہ پا کر بڑی مایوسی اور حیرت ہو گی۔ جن سے مصنف کے نیاز مندانہ یا دوستانہ تعلقات کا ان کو علم ہے۔ اس کے دو سبب ہیں، ایک یہ کہ بعض جلیل القدر شخصیات پر مصنف پوری پوری کتاب لکھنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ اس مجموعہ مضامین میں اس دریا کو کوزے میں بند کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر سب جانتے ہیں کہ لکھی ہوئی چیز کا دوبارہ لکھنا بڑے سے بڑے مصنف اور ادیب کے لیے بھی بہت بڑا امتحان ہے، اس فہرست میں مولانا الیاس کاندھلویؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی مشائخ میں سے، والد ماجد مولانا حکیم سعید عبدالحئی برادر معظم، مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی خاندانی بزرگوں میں سے، ڈاکٹر سر محمد اقبال ادیبوں اور شاعروں میں سے، شامل ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر مصنف کی ایک ایک مستقل کتاب طبع ہو چکی ہے۔ بعض ایسی شخصیتیں ہیں جن پر مستقل کتاب لکھنے کی نوبت تو نہیں آئی، لیکن ان کی سوانح عمریوں کے مقدمہ کی شکل میں ان کے متعلق پورے بسط و تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا جا چکا ہے، مثلاً نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان شروانی،

مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی پر مصنف کی نگرانی و راہنمائی میں ضخیم تذکرے اور سوانح عمریاں شائع ہوئیں اور ان پر مصنف کے مبسوط مقدمے ہیں۔" (۲۳)

ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت علیؓ کی سوانح حیات "المرتضیٰ" کے نام سے تحریر فرمائی۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"میرے لیے یہ ایک ایسا نازک اور آزمائشی موضوع تھا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز تھا۔" (۲۴)

"المرتضیٰ" کے بارے میں پروفیسر وصی احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسے نادرۂ روزگار عبقری شخصیت کی سوانح ہے جن کی اصلی شخصیت افراط وتفریط اور اختلافات کے پردے کے پیچھے چلی گئی ہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے ان کو اپنے افکار ونظریات اور روایتی عقائد کے تحت دیکھا ہے۔ "المرتضیٰ" کے مصنف نے ان کی پاک اور بے داغ زندگی، ان کی شخصی خصوصیات، ان کے اعلیٰ اسلامی قدروں کو جن پر وہ کاربند تھے۔ اس انداز سے لکھا ہے کہ ان کے عہد کی پوری تصویر بھی سامنے آ گئی اور عہد خلافت میں جن مسائل اور مشکلات سے وہ گزرے اور جو نازک مرحلے ان کی زندگی میں پیش آئے۔ سب کا مؤرخانہ بیان بھی ہے۔ ان کی بے نظیر زاہدانہ زندگی، صحیح فیصلے اور اقدامات، فرزندان والا مرتبت اور سادات کرام (آل رسول ﷺ) کے اعلیٰ اخلاق وشمائل۔ سب کا بیان مستند تاریخ کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور تجزیہ کیا ہے.................................

یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز اور رسول ﷺ کے تربیت گاہ کے منتخب ترین تربیت یافتہ کی سیرت لکھنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔" (۲۵)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جہاں مختلف شخصیات پر کتب تحریر فرمائیں وہاں انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی حیات پر بھی "حیات عبدالحی" کے نام سے ایک تصنیف ورثہ میں چھوڑی۔ مولانا کے والد بزرگوار بذات خود

موقع ملے اس لیے مصنف نے ان تمام تذکروں میں جو اس کے قلم سے نکلے صاحب سوانح کے اصلی خیالات اور جذبات کے پیش کرنے میں اور اس کی تحریروں یا تقریروں کے طویل اقتباسات نقل کرنے میں بخل و کفایت شعاری سے کام نہیں لیا کہ صاحب سوانح کی شخصیت کے سمجھنے کے لیے یہی ''شاہ کلید'' ہے اس کا فائدہ جس کا مصنف کو خود تجربہ ہے یہ ہے کہ بعض اوقات بڑی بڑی ضخیم تصنیفات، حوادث و انقلابات کی نذر ہو جاتی ہیں اور کسی کتاب میں درج کیے ہوئے اقتباسات باقی رہ جاتے ہیں جو اس کی طرز فکر اور خصوصیات کو زندہ رکھتے ہیں اور آئندہ نسلیں انہی کے ذریعہ اس مصنف کا سراغ پاتی ہیں'' (۲۷)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جہاں اپنے والد بزرگوار کی سوانح حیات رقم کی۔ وہاں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی سوانح ''ذکر خیر'' کے نام سے رقم کی۔ ''ذکر خیر'' کے پیش لفظ میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''والدہ صاحبہ مرحومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ نے ۶ / جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ / ۳۱ / اگست ۱۹۶۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ ان کی ہستی نہ صرف ان کے محدود خاندان بلکہ اس کی نسل کی مسلمان بچیوں اور بیبیوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال اور عہد ماضی کی (جو بڑی خیر و برکت کا دور تھا) پاک نہاد اور نیک سیرت، خدا ترس اور خدا پرست مسلمان خواتین اور صالحہ قانتہ بیبیوں کی سچی یادگار تھیں۔ ان کا پختہ ایمان و یقین، خدا کی محبت، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا شوق، اپنے اور اپنی اولاد کے بارے میں دین کو دنیا پر کھلی ترجیح، دنیا کی دولت و عزت اور زیب و زینت سے اعراض، زہد و قناعت، دعا و مناجات کا عشق، دعا کے اثر و قبولیت اور کلام الٰہی اور اذکار نبوی ﷺ کے خواص و اثرات پر یقین اور ان چیزوں کو مقاصد کے حصول اور دین و دنیا کی سعادت و کامیابی کا ذریعہ اور ہر قفل کی کلید سمجھنا، دعا کا سوز و گداز اور نمازوں کا راز و نیاز، دین اور اہل دین کی عزت و وقعت کا ریشہ ریشہ میں سما جانا اور مزاج بن جانا، زمانہ سلف اور تاریخ اسلام کی ان بلند مرتبہ خواتین کی یاد تازہ کرتا تھا۔ جن کے واقعات، تذکرے اور سوانح کی کتابوں میں لکھے اور پڑھے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر

اندازہ ہوتا تھا کہ جب شر وفتن کے اس دور اور مادیت وغفلت کے اس زمانہ میں قوت ایمانی اور دینداری کے ایسے نمونے پائے جاسکتے ہیں تو قرون اولیٰ اور اسلام کے مرکزوں میں ان مسلمان خواتین کا کیا حال ہوگا جنھوں نے تعلیم وتربیت کے بہترین ماحول میں پرورش پائی تھی۔ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان صالحات، قانتات اور عالم وفاضل بیبیوں کے متعلق جو کچھ مستند کتابوں میں حالات آئے ہیں اس میں ذرا بھی مبالغہ اور افسانہ طرازی نہیں'' (۲۸)

''سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ''، ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ''، ''تذکرہ مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ''، ''صحبتے با اہل دل'' اور ''نقوش اقبال'' یہ ساری کتب سوانحی ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔مولانا نے ان کتب میں ان شخصیات سے نہ صرف قارئین کو متعارف کروایا۔ بلکہ ان کے علمی، روحانی اور باطنی کمالات کو منصۂ شہود پر لائے ہیں۔ان کتب میں سوانح نگار نے ان حضرات کے ملفوظات، ان کی کتابوں کے طویل اقتباسات درج کیے ہیں تا کہ قاری ان کے علمی اور روحانی کمالات سے فیض یاب ہو سکے۔ان کا مقصود اصحاب دعوت کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جا سکے۔چونکہ مولانا بذات خود ایک داعی اور مبلغ تھے اس وجہ سے انہوں نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ صاحبان دعوت کے پیغام دعوت کو مزید آگے بڑھایا جائے تا کہ قارئین ان حضرات کے حالات کو پڑھ کر اپنے لیے اصلاح کا سامان پیدا کریں اور ان کے تذکرے درماندہ اور تھکے ہوئے دل و دماغ کی سکینت کا باعث ہوگی''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ'' کے مقدمہ میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت عالم اسلام پر حزن وملال اور شکستگی واضمحلال کے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں متعدد سیاسی طاقتوں کے زوال اور مختلف سیاسی ونیم سیاسی تحریکوں کی ناکامی نے یورش تاتار کے بعد عالم اسلام میں پھر یہ سوال ابھار دیا ہے کہ مسلمانوں کی بنیادی کمزوری کیا ہے؟ اور کس چیز کی کمی اور فقدان نے مسلمان جماعتوں اور ملکوں کو اس منزل تک پہنچا دیا ہے۔ذہنی انتشار، روحانی کشمکش اور یاس و ناامیدی کے ایسے مرحلوں پر اہل قلوب اور اہل یقین نے ٹوٹے ہوئے دلوں اور تھکے ہوئے دماغوں کو سہارا دیا ہے اور امید ویقین کا نیا چراغ روشن کیا ہے اور

بتایا ہے کہ اخلاص اور روحانیت صحیح اسلامی اخلاق اور اصلاح نفس کے بغیر حکومتیں اور طاقتیں حباب اور انقلاب و ترقی کی کوششیں سراب سے زائد نہیں۔ یہی مشائخ سلف اور مصلحین امت کی تعلیمات کا خلاصہ تھا اور یہی اس سیرت کا عطر و جوہر اور دعوت و پیغام ہے۔"(۲۹)

سوانح حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے بارے میں مولانا علی میاں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ عصر حاضر کے ایک باکمال فرد کی سوانح نہیں۔ایک مردم خیز دور،ایک مرد آفرین معاشرہ، ایک حیات بخش نظام تعلیم و تربیت اور ایک پر ثمر اور شاداب شاخ و نہال کی آخری بہار کی کہانی ہے۔اس لیے سوانح نگار کی محنت و قوت مطالعہ اور ذمہ داری فرد واحد کی سوانح نگاری تک محدود نہیں۔اس سے کہیں زیادہ وسیع و عمیق اور نازک ہے اور ان اوراق کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت دل و دماغ شدید طور پر اس بارے میں شبہ و اضطراب میں مبتلا ہیں کہ یہ فرض ادا ہو سکا یا نہیں۔"(۳۰)

اس کتاب کے ذریعے مولانا علی میاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے مشن کو عوام الناس تک پہنچانے کے خواہاں نظر آتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"اس کتاب کے ذریعے اس علمی و فکری طبقہ کو بھی حضرت شیخ کے کمالات،ان کی جامعیت، ان کے علمی و تصنیفی مرتبہ،ان کی اخلاقی بلندی،ان کے علمی و تصنیفی انہماک،دینی کوششوں اور تعلیمی اداروں سے گہرے تعلق،فکر مندی و دل سوزی،علوم دینیہ،عقائد صحیحہ اور مسلک حق کی اشاعت سے دلی شغف،مسلمانوں کا حال و مستقبل کی فکر اور رجوع الی اللہ اور اتباع شریعت و سنت کی دعوت اور اس کے لیے جدوجہد کا اندازہ ہو۔اور اس کتاب کو پڑھ کر اس کے اندر عمل کا جذبہ پیدا ہو۔اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس ہو۔ہمت میں بلندی،قلب و نظر میں وسعت اور وقت کی قیمت اور زندگی کی کوتاہی کا شعور،عمل نافع اور باقیات صالحات کے ذخیرہ کا شوق و آرزو پیدا ہو۔"(۳۱)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سوانحی ادب کے ذریعے سے صاحب سوانح کے خیالات، اس کی جدوجہد اور علمی کمالات کو پیش کر کے لوگوں کی اصلاح اور ان میں بیداری پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ ایک سچے داعی تھے اور ان کی تحریروں کا محور و مرکز دعوت الی اللہ ہی تھا۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''تحریر میں تاریخی و سوانحی موضوعات ان کی خاص دلچسپی کا باعث رہے، لیکن انہیں پیش کرتے ہوئے دعوتی نتائج ہمیشہ ان کے سامنے رہے۔ ان کی تحقیق، ان کا ادب، ان کا مشاہدہ اور ان کا اظہار سب ایک ہی رخ پیش کرتے ہیں اور وہ ہے دعوت اسلامی، مسلمانوں سے خطاب یا غیر مسلموں سے۔ دعوت الی اللہ ہی مقصود ہے۔'' (۳۲)

بزرگان دین کی سوانح اور تذکرے تصنیف فرما کر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے جہاں تبلیغ ودعوت کے کام کو آگے بڑھایا۔ وہاں ان حضرات کی سوانح پڑھنے سے دلوں کی سکینت اور اطمینان موجود ہے۔ آج کل کے مادی دور میں انسان سکون و امن کا متلاشی ہے۔ مولانا کے نزدیک امن وسکون کا یہی نسخہ کیمیاء ہے کہ انسان بزرگان دین سے وابستہ ہو جائے۔ ان کے واقعات، ان کے علمی و رحانی کمالات و کیفیات کو پڑھے۔ جس سے اس کے دل مضطرب کو اطمینان نصیب ہوگا۔ اور اسی کی مایوسی کا مداوا ہوگا۔ مولانا علی میاں ''مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی'' کے تذکرہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''تقسیم کے انسانیت سوز ہنگامہ نے جب دلوں کو زخمی کیا اور لاکھوں انسانوں نے اس دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی بے وفائی سے بے خانماں اور شکستہ دل انسانوں کو اہل درد و محبت کے حالات اور تذکروں کی سب سے زیادہ تلاش ہے۔ یوں بھی آج دماغ پر افکار، شبہات اور غلط معلومات کے لشکروں کا جو نرغہ ہے۔ اس کے مقابلے کی صورت صرف یہ ہے کہ دل کی اس مخفی طاقت کو ابھارا جائے اور عشق و محبت کی چنگاری کو سلگایا جائے جس کے سامنے افکار و شبہات اور غلط معلومات نے ہمیشہ سپر ڈال دی ہے۔'' (۳۳)

مولانا آگے تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی زندگی میں یہ جوہر دردومحبت بہت نمایاں ہے۔اُن کے واقعات آج بھی سادگی کے باوجود دلوں پر تیرونشتر کا کام کرتے ہیں۔دردومحبت، جذب ومستی کے ساتھ اتباع سنت، احترام شریعت اور حدیث نبوی ﷺ کے ساتھ عشق کا جیسانمونہ ان کی زندگی میں ملتاہے اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔''(۳۴)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مختلف شخصیات کے احوال قلم بند کر کے سوانح عمری میں ایک منفرد مقام حاصل کرلیا۔جہاں مولانا نے دوسروں کی سوانح حیات قلم بند کی۔وہاں اپنی زندگی کے احوال پر مشتمل سات جلدوں میں ''کاروان زندگی'' لکھ کرآنے والے سوانح نگاروں کے لیے معلومات کا ایک وافر ذخیرہ مہیا کردیا ہے۔مولانا اپنی اس سوانح عمری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس طرح سات جلدوں کے اس سلسلہ کو جو اسفار، دوروں، طوفانوں اور بدلتے ہوئے ماحول کی تصویرکشی پر مشتمل ہے''سبع سیارہ'' کہا جاسکتا ہے اوراس سے معاصر اور آنے والے مصنفین کو وہ مواد مل سکتا ہے اور زمانہ کی نبض بھی پہچانی جاسکتی ہے جو تاریخ کی عام کتابوں اور سوانح عمریوں سے کم پہچانی جاتی ہے۔''(۳۵)

''کاروانِ زندگی'' معلومات کا ایسا بیش قیمت خزانہ ہے جس کے توسط سے مولانا ابوالحسن علیؒ کی زندگی کے خدوخال، اُن کے مشاہدات وتجربات، علمی روحانی کمالات کا ایک جامع مرقع تیار کیا جاسکتا ہے۔یہ کتاب ان محققین کے لیے جو مولانا کے بارے میں لکھنا چاہیں ایک راہنما اور بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

بقول پروفیسر وصی احمد صدیقی:

''یہ سریز(کاروانِ زندگی) تاریخی مرقع ہونے کے علاوہ فکروعمل کی بھی دعوت دیتی ہے۔ان کتابوں میں ملک کے اندر اور ملک کے باہر طویل اسفار کا بیان ہے۔اس دوران ہونے والے اہم واقعات پر تبصرہ ہے اور یہ تبصرہ نتائج کی شکل میں نظر آتا ہے۔حضرت مولانا تو تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے زبردست واقف کاروں میں رہے ہیں۔جن حالات اور جن واقعات کو وہ بیان

کرتے ہیں اُن کے اسباب وعلل پر غور کر کے وہ منطقی نتیجہ پر آتے ہیں۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی رودادیں پوری دلچسپی پیدا کرتے ہوئے قاری کے علمی، دینی اور اصلاحی جذبہ کو بیدار کرتی ہیں۔ یہاں جغرافیائی حدود وثغور معاملہ نہیں۔ مذہب جو سطور میں عیاں اور بین السطور میں نہاں ہے۔اس نے کسی ملک اور کسی زمانہ میں اپنی شکل نہیں بدلی۔وہ نظریہ حیات سامنے آتا ہے جو اسلام کی دین ہے۔ ہر بیان میں ایک حسن تکمیل بھی ہے''(۳۶)

حواشی و حوالہ جات

١۔ عبدالرشید عراقی، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ان کی عربی تصانیف، ماہنامہ البلاغ، صفر ۱۴۲۳ھ، ص ۲۷ تا ۳۴، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، ص ۴۱ تا ۴۳، ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ، ص ۳۱ تا ۳۴، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ، ص ۳۳ تا ۳۶۔

٢۔ ''پیش لفظ'' سید قطب شہید، در/ مسلمانوں کے عروج و زوال کے انسانی دنیا پر اثرت، از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

٣۔ پروفیسر خورشید احمد، افتتاحیہ در مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔ حیات و افکار کے چند پہلو، ترتیب و تدوین سفیر اختر، اسلام آباد، ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۵۔۱۶۔

٤۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حیات عبدالحیی، کراچی، مجلس نشریات اسلامی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷۰۔

٥۔ ایضاً، ص ۲۹۷۔

٦۔ ایضاً، ص ۹، ۱۰۔

٧۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، کاروانِ زندگی، حصہ اوّل کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳ء، ص ۸۹۔۱۸۸۔
مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ ششم، جلد اوّل کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۔

٨۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تاریخ دعوت و عزیمت، جلد ششم، جلد اوّل، ص ۴۲۔۴۳۔

٩۔ ایضاً، ص ۴۲۔

١٠۔ سفیر اختر، ''برصغیر کی تحریک اصلاح جہاد۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ کی علمی و تصنیفی کاوشوں کا موضوع''، در، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حیات و افکار کے چند پہلو، تر وتیب و تدوین، سفیر اختر، ص ۱۴۲۔

١١۔ ایضاً، ص ۴۳۔۱۴۲۔

١٢۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، دہلی ادارہ اشاعت دینیات، ۱۹۴۷ء، ص ۳۶۔

١٣۔ ایضاً، ص ۲۵۔۲۶۔

١٤۔ ایضاً، ص ۷۔۲۰۶۔

١٥۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اوّل، ص ۱۸۔۱۹۔

١٦۔ ایضاً، ص ۱۹۔۲۰۔

۱۷۔ پروفیسر وصی احمد صدیقی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی معروف تصنیفات اور ان کا پیغام" در بیاد مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، نذرانہ عقیدت، مرتب فضل ربی ندوی، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد، ص ۳۵۔۱۳۴۔

۱۸۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اوّل، ص ۱۵۔

19a۔ ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن "تاریخ دعوت و عزیمت" مصنف سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک اجمالی جائزہ" سہ ماہی قافلہ ادب اسلامی، جلد اوّل، شمارہ ۱۔۲، ص ۵۹۔۱۵۸۔

19b۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، پرانے چراغ، حصہ سوئم، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد، ص ۷۔

۲۰۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، پرانے چراغ، جلد اوّل، ص ۱۰۔۹۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۔۱۵۔

۲۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، پرانے چراغ، جلد سوئم، ص ۵۔

۲۳۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، پرانے چراغ، جلد اوّل، ص ۱۰۔۱۱۔

۲۴۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، المرتضٰی، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد، ص ۲۲۔

۲۵۔ پروفیسر وصی احمد صدیقی، "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معروف تصنیفات اور ان کا پیغام" ص ۱۳۴۔

۲۶۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حیات عبدالحیی، ص ۱۵۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۸۔۱۷۔

۲۸۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ذکر خیر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۴ء، ص ۷۔۸۔

۲۹۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد، ص ۲۹۔۳۰۔

۳۰۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سوانح حضرت شیخ الحدیث، مولانا محمد زکریاؒ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد، ص ۱۰۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۷۔۱۶۔

۳۲۔ ڈاکٹر خالد علوی، "ایک سچا داعی اسلام" در مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔ حیات و افکار کے چند پہلو" ترتیب و تدوین، سفیر اختر، ص ۱۷۹۔

۳۳۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سن ندارد ص ۹۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۹۔

۳۵۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ، کاروانِ زندگی" حصہ ہفتم، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ص ۶۔

۳۶۔ پروفیسر وصی احمد صدیقی، "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معروف تصنیفات اور اُن کا پیغام"۔ ص ۱۳۵۔